ایک مشہور حدیث کی توضیح

(از جناب حکیم مولانا محمد بشیر صاحب مبارکپوری)

میں نے اس مشہور حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی الحدیث کی توضیح کو ناظرین تک پہنچانا اس لئے ضروری سمجھا کہ نیت کے مسئلہ میں حنفیہ کی بیجا تاویل اور تلبیس سے لوگ واقف ہوجائیں اور صحیح طور پر مسئلہ کی حقیقت معلوم کرلیں تاکہ ان کے اعمال حسنہ کسی بدعت پر مشتمل ہوکر لغو اور بیکار نہ ہوں بلکہ ان اعمال کے ذریعہ اخروی نعمتوں سے پورے طور پر بہرہ اندوز ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کی توضیح سے پہلے اعمال کے بعض اقسام کو بیان کردوں تاکہ مقصود کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ انسانوں کے سوا باقی مخلوقات کے اعمال و افعال ہماری بحث سے خارج ہیں کیونکہ حدیث مذکور میں

ﷺ پوری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اعمال اختیاریہ صالحہ جو بدون نیت نہیں پائے جاتے ہیں اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے کئے گئے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو مقبول ہیں اور اگر کسی اور نیت سے کئے گئے ہیں تو نامقبول ہیں۔ پس اگر کسی نے ہجرت (کفر و الحاد کے مواضع کو چھوڑ کر اسلامی مواضع میں چلا جانا) اللہ کی رضاجوئی کیلئے کی ہے تو وہ ہجرت صحیحہ ہے اور اس پر اس شخص کو اجر ملیگا اور اگر کسی نے ہجرت دنیاوی مال وجاہ حاصل کرنے کیلئے یا کسی عورت کو رفیقۂ حیات بنانے کیلئے کی ہے تو وہ ہجرت فاسدہ ہے جس پر اُسے ثواب نہیں ملیگا ۱۲ منہ

(بقیہ صفحہ ۴) اور اس طریقہ کو دل نشین کرنے کی صورت یہ ہے کہ جسم کو عبادت کا عادی بنائے۔ رکوع اور سجود کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے جلال اور بزرگی کا تصور کرے۔ اور دین کے صحیح اور صاف عقائد کی معرفت حاصل کرے اس لئے کہ عقائد ہی تمام اعمال و اخلاق کی بنیاد ہیں۔

مدارس کے مہتممین اور معلمین کا فرض ہے کہ وہ طلبہ میں دینی تعلیمات اور عبادات کا ایسا جذبہ پیدا کریں کہ جس کی وجہ سے ان کی عبادتیں محض ظاہری اور رسمی اعمال کا ایک بے روح ڈھانچہ نہ ہوں بلکہ حقیقی اور معنوی طور پر اس طرح موثر ہوں کہ دلوں سے غفلت کا حجاب نوچکر پھینکدیں اور باطنی طور پر ان کے اندر زندگی کی ایسی روح پھونکدیں کہ جس کا اثر ظاہر میں بھی لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

تعلیمات کے نگراں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دینیات پڑھانے والے کے متعلق اس کا بھی خیال رکھے کہ وہ جو کچھ پڑھا رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حقیقت دین کے خلاف، الحاد و بے دینی کی تعلیم دے رہا ہو۔ اور دین کی تعلیم کے بجائے اس کی تحریف کر رہا ہو۔"

اعمال سے مراد مکلفین یعنی انسان کے افعال ہیں جو بالکل امری مانوی سے صاف ظاہر ہے۔ ہاں جنوں کے اعمال بالتبع داخل ہیں۔ انسان کے اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اختیاری دوسرے غیر اختیاری۔ غیر اختیاری وہ افعال ہیں جس میں انسان کی نیت، ارادہ اور اختیار کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔ جیسے دل کی حرکت، دوران خون، ہضم غذا وغیرہ، ان غیر اختیاری افعال کو بھی حدیث مذکور سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہیں کیونکہ ہم ان کے مکلف نہیں ہیں بلکہ حدیث مذکور میں اعمال سے مراد صرف مکلفین کے افعال اختیاریہ ہیں وبس۔ علامہ سندھی حنفی فرماتے ہیں۔ المراد بالاعمال مطلق الافعال الاختیاریۃ الصادرۃ عن المکلفین (کذافی التعلیق الصبیح ج۱ ص۲) افعال اختیاریہ ان افعال کو کہتے ہیں جن کا صدور اور حصول مکلف کی نیت اور اس کے ارادے واختیار ہی سے ہو جیسے کھانا، پینا اور اٹھنا بیٹھنا وغیرہ ان افعال اختیاریہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ افعال حسنہ (اچھے کام) ہیں جو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضاجوئی کی نیت سے کئے گئے ہیں۔ دوسری قسم وہ افعال ہیں جو حسنہ نہیں بلکہ سیئہ (برے) ہیں یا حسنہ ہیں لیکن اللہ جل شانہ کی رضامندی طلب کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ کسی اور نیت سے کئے گئے ہیں۔ حدیث مذکور انھیں دونوں قسموں کے بیان کے لئے وارد ہوئی ہے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث مذکور کا پہلا جملہ "انما الاعمال بالنیات" ہے جو صراحتاً اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی بھی اختیاری کام بغیر کرنیوالے کی نیت یعنی قصد اور ارادے کے ہرگز نہیں پایا جاسکتا۔ یہ صراحت چونکہ مذہب حنفی پر ضرب کاری تھی اسلئے انھوں نے اس کے مسخ کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا اور اپنی فطرتی تلبیس سے کام لیکر صحیح مطلب کو بگاڑ کر ہی دم لیا۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ ہمارا کوئی بھی اختیاری کام بغیر ہمارے قصد و ارادے کے ہرگز نہ پایا جائے حالانکہ ہم بہت سے اختیاری کام کرجاتے ہیں جن کا ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا لہذا یہ ہمارے قصد اور نیت کے بغیر پائے گئے پس معلوم ہوا کہ حدیث کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ صحیح معنی وہ ہے جو ہم حنفیہ تاویل کرکے بیان کرتے ہیں کہ اعمال صالحہ کا ثواب اسی وقت ملیگا جبکہ کرنے والے نے اس کام کو نیت کرکے کیا ہو۔ اگر کسی عمل صالح کو نیت کے بغیر کیا ہے تو اُسے اس کا ثواب ہرگز نہیں ملیگا لیکن ثواب نہ ملنے کی وجہ سے وہ کام باطل اور فاسد ہرگز نہ ہوگا بلکہ اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی دوسرے عمل صالح کے لئے شرط ہو تو اس کا شرط ہونا بالکل صحیح ہوگا مثلاً اگر کسی مسلمان نے اپنے ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء وضو بغیر نیت اور ارادے کے دریا یا بارش میں چلنے کی وجہ سے دھل گئے ہوں تو اس کا وضو ہوجائیگا جو اسکی نماز کی صحت کے لئے کافی ہوگا البتہ اس وضو پر اس شخص کو کوئی ثواب نہیں ملیگا۔ جس طرح کپڑے کی نجاست کہ اگر بارش سے دھل کر دور ہوگئی تو وہ کپڑا پاک ہوگیا اور اس سے نماز کے صحیح ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں باوجودیکہ اس طہارت کیلئے نیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ مجھے اپنے ان بھائیوں کی اس تلبیس سے دکھ کے ساتھ ہنسی بھی آتی ہے۔ دکھ تو اسلئے ہوتا ہے کہ جب

کبھی یہ لوگ اپنی غلط رائے اور بے بنیاد قیاس کے خلاف کسی حدیث کو پاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنے مردہ بتوں سے توبہ کرتے خود حدیث ہی میں بے جا تاویلات کرکے اپنے مذہب کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ ہنسی اس لئے آتی ہے کہ بزعم خود دوسروں کو "قل اعوذیئے" کہتے ہیں لیکن خود تفکر، تدبر، نفقہ اور دیانت سے کوسوں دور ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ کاموں کو اختیاری مانتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ ہم انھیں بغیر نیت و ارادے کے کرجاتے ہیں ایں چہ بوالعجبی ست؟ حالانکہ افعال اختیاریہ صرف انھیں کاموں کو کہتے ہی ہیں جو کرنے والے کے ارادہ کے بغیر ہرگز نہ پائے جائیں۔ مولانا انور شاہ صاحب حنفی کو بالآخر مجبوراً اقرار کرنا پڑا کہ فالنیۃ امر قلبی لامناص عنہا فی الافعال الاختیاریۃ (فیض الباری . . . . ج۱ ص۲۰۴) یعنی نیت دل کا قصد ہے جس کے بغیر افعال اختیاریہ کا وجود ناممکن اور محال ہے۔

یہ اور بات ہے کہ کرنے والوں کو بااوقات اپنی نیتوں، ارادوں اور قصدوں کا شعور اور احساس نہیں ہوتا لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ سرے سے نیت کا وجود ہی نہ ہو۔ نیت ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے لیکن اس کا احساس نہ کرنے کی وجہ ملکہ اور مہارت کا نہ ہونا ہے علماء، عقلاء کیا عوام بھی جانتے ہیں کہ اول اول جب کسی اختیاری کام کو شروع کیا جاتا ہے تو ہر ہر لمحہ کیلئے نیت کی تجدید کرنی پڑتی ہے اور اس کی ہر ایک نیت کا اس کو کامل اور مکمل طور پر احساس ہوتا ہے لیکن جوں جوں اس کام میں مہارت پیدا ہوتی جاتی ہے نیت اور ارادہ کا شعور بھی گھٹتا جاتا ہے اور مہارت تامہ کے بعد تو شعور عموماً مفقود ہوجاتا ہے ـــــ ٹائپسٹ کو دیکھئے کہ جب وہ ٹائپ کرنا سیکھتا ہے تو اسے ہر ہر حرف کے لئے نیت اور ارادے کا پورے طور پر احساس ہوتا ہے مگر مہارت بڑھنے کے ساتھ ساتھ ارادوں کا احساس کم ہوتا جاتا ہے ـــــ سائیکل سوار کو دیکھئے کہ چلانا سیکھنے کے وقت آگے کو پیر مارنے کے لئے اپنی ہر نیت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے مگر مہارت کے بعد یہ شعور یا تو قطعاً مفقود ہوجاتا ہے یا کبھی اگر پایا بھی گیا تو ایک دھندلے سے عکس کی صورت میں۔ بہر حال نیت ضرور ہوتی ہے چاہے اس کا احساس اور شعور ہو یا نہ ہو۔ مولانا انور شاہ صاحب حنفی اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوکر فرماتے ہیں ولا یشترط شعورہا وتقررہا واستحضارہا (فیض الباری ج ۱ ص ۱۲) یعنی افعال اختیاریہ کی نیتوں کا شعور کرنا یا ان کو حاضر کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کی تاویل قطعاً غلط اور بے اصل ہے صحیح مطلب وہی ہے جس پر حدیث مذکور صراحتاً دلالت کرتی ہے یعنی کوئی بھی اختیاری کام بغیر کرنیوالے کی نیت اور ارادے کے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ رہی یہ صورت کہ کسی مسلمان کے ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء وضو اگر بارش وغیرہ سے دھل جائیں تو وضو شرعی ہوا یا نہیں؟ تو میں جواب دونگا کہ ہرگز نہیں! کیونکہ یہ دھل جانا ہے جو اس مسلمان کا فعل ہی نہیں ہے اور وضو کے لئے مسلمان کا فعل ہونا ضروری ہے جو فاغسلوا اور وامسحوا سے بخوبی ظاہر ہے اور یہ جبکہ مصلی کا اختیاری فعل ہے تو اس کے کرنے کی نیت

ضرور ہو گی پس وضو وہی ہو گا جسے نیت اور ارادہ کرکے کیا گیا ہے۔ کپڑے کی نجاست کا بارش وغیرہ سے دور ہو جانا بے شک طہارت ہے اور یہی طہارت ہی صحت نماز کیلئے شرط ہے نہ کہ تطہیر پس جبکہ طہارت مصلی کا فعل ہی نہیں تو نیت کی ضرورت ؟

نیت کو زبان سے کہنا۔ جہاں اور بہت ساری بدعات کو داخلِ دین کیا گیا ہے وہاں ایک یہ بھی ہے کہ "نیت کو زبان سے بھی کہنا مستحب ہے" تاکہ دل اور زبان میں مطابقت ہو جائے۔ اللہ اکبر کتنی بڑی جسارت اور دلیری ہے کہ ایک چیز کے مستحب ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں جسے اللہ کے رسول فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی نہیں کیا ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی کبھی کیا اور نہ تابعین یا اتباع تابعین یا ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں کسی نے کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بدعت ہے اور بدعت بھی قبیحہ ہے۔ حنفی بھائیو! اس بدعت سے جلد توبہ کرو اور باز آؤ کیونکہ رسول سے مخالفت کرنے میں ثواب نہیں عذاب ہوتا ہے عذاب۔

حدیث مذکور کا دوسرا جملہ " ولکل امرئ مانوی " ہے جس کی تفصیل آخر کے جملے کرتے ہیں یعنی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبہا او امرأۃ یتزوجہا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ (متفق علیہ مشکوٰۃ) یہ جملے اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ اعمال صالحہ اگر خالصۃً لوجہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت سے کئے گئے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو مقبول ہیں اور اگر ان میں اخلاص نہیں ہے بلکہ کسی اور ارادے اور نیت سے کئے گئے ہیں تو وہ اللہ رب العزت کو مقبول نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انھیں لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازیگا جن کے اعمال کو اس نے قبول فرمایا ہے اور وہ لوگ جن کے اعمال اسے مقبول نہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔ حدیث مذکور میں منجملہ اور اعمالِ صالحہ کے صرف ہجرت ہی کا ذکر اس لئے ہے کہ بوقت ارشاد حدیث ہجرت سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا تھا وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جس کا لقب مہاجر ام قیس تھا ایک عورت ام قیس سے شادی کی غرض سے ہجرت کی تھی۔ حضور نے موقع کے لحاظ سے تفصیل فرمائی کہ جس کی ہجرت لوجہ اللہ ہو گی اسے ہجرت کا ثواب ہوگا۔ اور جو کسی اور وجہ سے ہجرت کریگا وہ ہجرت کے ثواب سے محروم ہوگا۔ اور اس شخص نے چونکہ بیوی کیلئے ہجرت کی ہے اس لئے ہجرت کے ثواب کا مستحق نہیں۔ ورنہ درحقیقت حدیث مذکور سارے اعمال صالحہ کو عام ہے چاہے وہ نماز ہوں یا روزہ، حج ہوں یا زکوٰۃ، ہجرت ہوں یا جہاد، صدقات خیرات ہوں یا وظائف و اوراد غرضکہ سارے میں مدار ثواب وصحت اخلاص پر۔ قرآن مجید کی یہی تعلیم ہے کہ ہر عمل میں اخلاص ہو چنانچہ فرمایا لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (پ ۱۷ ر ۱۳) یعنی اللہ کو تمہاری قربانی کے گوشت اور خون سے سروکار نہیں بلکہ وہ تمہارے تقوی اور اخلاص کو دیکھتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (پ ۳۰ ر ۲۳) یعنی میں نے اپنے بندوں کو اسی بات کا حکم دیا ہے کہ وہ میری عبادت اخلاص سے کریں۔ ۴۴

۴۴ - یعنی معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کا ورود محض نیت صحیح اور نیت فاسدہ کے مابین فرق کرنے کے سبب سے ہے کیونکہ اگر نیت میں اخلاص ہے تو نیت صحیح ہے ورنہ نیت فاسدہ ہو گی۔ البتہ بارہا لوگوں کی خوش فہمی نے "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا" کی صورت اختیار فرمائی جس کا مجھے افسوس ہے۔